**خواہ مخواہ کی لڑائی (خلاصہ)**

**تعارفِ مصنف:**

شوکت تھانوی کا شمار اُردو کے معروف مزاج نگاروں میں ہوتا ہے یوں تو صحافت ،ڈرامہ نگاری اور ناول نگاری کے میدان میں بھی آپ نے عمر گزاری لیکن مزاج نگار کے طور پر جو شہرت آپ کو حاصل ہوئی اس نے آپ کو امر کردیا۔ان کا اندازِ بیاں سادہ لیکن بے ساختہ ہے روانی ایسی کے دل میں اُتر جائے۔ان کے موضوعات ہماری حقیقی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صورت و واقعہ ایسے پیش کرتے ہیں کہ چہرے پر ہنسی اور مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔

**خلاصہ:**

شوکت تھانوی لکھتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان لڑی جانے والی لڑائیاں بالعموم بے بنیاد ،بلاوجہ اور بلا سبب ہوتی ہیں بلاوجہ کی لڑائی کو مصنف نے خواہ مخواہ کی لڑائی کا نام دیا ہے۔اچانک برپا ہونے والی ایسی لڑائیاں مزے دار ہوتی ہیں۔اتفاقی طور پر کسی سے کوئی جملہ سرزد ہو جائےاور اُس کا ردِعمل دوسری طرف سے بھی ظاہر ہو تو صورتحال دلچسپ ہوجاتی ہے۔لڑنے والے بڑی ایمانداری سے لڑتے ہیں اور دیکھنے والے بظاہر تو انہیں بُرا سمجھتے ہیں لیکن دراصل یہ تماشا ان کے لئے کسی نعمت سے کم نہیں ۔بعض اوقات لڑائی کے دوران ایسی دلچسپ صورتحال ہوتی ہے کہ تماشائی حضرات تماشے پر تبصرہ کرتے ہوئےخوامخواہ ایک دوسرے سے بھی اُلجھ جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنے دلوں کی بھڑاس نکالنے لگتے ہیں فقرے بازی ،طعنہ زنی ا ور طنز و الہنراءسے بات بڑھ کر ہاتھا پائی تک پہنچ جاتی ہے ۔کیسے عجیب لوگ ہیں کہ بچ بچاؤ کرانے والے بھی سارا مزہ خراب کردیتے ہیں ۔اس طرح بے ارادہ شروع ہونے والی یہ لڑائی بے نتیجہ ہی انجام پزیر ہوجاتی ہے۔تماشائیوں کی شوخ روحیں اس نوع کی لڑائیوں پر یوں بھی وجد کرتی ہیں لڑنے والے پورے خلوص اور ایمانداری سے لڑے ۔اس ایمانداری پر وہ مبارک بد کے مستحق ٹھرتے ہیں ۔لڑائی کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہیں کہ لڑنے والوں میں کسی ایک شخص نے پہلے ہی لڑنے کی ٹھانی ہوتی ہے،اس کے لیئے ذہنی طور پر تیاری بھی کی ہوتی ہے لیکن ایسی لڑائی کو بالکل بھی مثال قرار نہیں دیا جا سکتا ۔بقول مصنف ان دونوں میں آمد اور آورر کا فرق ہوتا ہے ۔چونکہ ایسی لڑائیوں میں ایک طرح کا تکلف ہوتا ہے اس لئے اس کا انجام بھی وہی ہوتا ہے جس کا ڈر ہوتا ہے ۔کسی ایک فریق کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے تو یہ لڑائی ایک افسوس اور ندامت پر منتج ہوکر ’’ھل من مزیر‘‘کے شائقین کو سوگوار کرتی ہے۔شوکت تھانوی نے اس دوسری نوعیت کی لڑائی کو الجھانے سے تعبیر کرکے اس کو کسی غصّے کا نتیجہ بتایا ہے یعٰنی غصّہ کسی اور پر تھا اور سارا نزلہ کسی کمزور پر گِرادیا ۔یوں افسر کی سرزش سے پکنے والا لاوا گھر میں بیوی پر آتش فشاں کی صورت میں پھوٹتا ہے اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔

**مجبوریاں (خلاصہ)**

**تعارفِ مصنف:**

**خلاصہ:**

ہم جس ماحول میں وقت کا بیشتر حصّہ صرف کرتے ہیں وہ ماحول ہمارے مزاج،خیالات عادتوں اور ذہنی رویوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔جانے انجانے میں مخلف موقع پر اس کا جاوبےجا اظہار ہوجاتا ہے۔انسانی روّیے کی یہ ناہمواری یا عادت کی مجبوری بعض اوقات ہنسی کا سامان پیدا کردیتی ہے ۔مصنف اس عادت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک موٹر ورکشاپ کے مالک کی عادت تھی کہ حالتِ نیند میں بھی اس کی زبان کے بریک اور اسٹارٹ کے الفاظ کا اظہار ہو جاتا تھا ۔اُونٹ پر بیٹھتے تو کاچانک کہتے کہ اُونٹ کو دوسرا گئیر لگاؤ اسی طرح کچھ بچوں کا احوال ذکر کیا جنہیں ریاضی کے مضمون سے دلچسپی نہیں تھی ایک مرتبہ ایک اُستاد بچوں کے شوق کی خاطر کچھ خرگوش لائے کھیل کھیل میں وہ اُنھیں کچھ ریاضی سمجھانے لگے بچّے محتاط ہوگئے کہ کہیں اُستاد صاحب بہانے سے واقعی ہمیں ریاضی نہ پڑھا دیں ۔ایک فلاسفر صاحب کے ذکر سے بھی ان کی بعض عادتوں کا پتہ چلتا ہے کہ کسی کو خط لکھتے ہوئے ساری دماغی اُلجھنیں وہ کاغذ پر اُنڈیل دیتے تھے ۔ان کی غائب دماغی کا یہ حال تھا کہ کسی نے آواز لگائی کہ میں صاحب کے گھر میں آگ لگ گئی ہے تو بغیر سوچے سمجھے ۔۔۔۔۔مچادیتے تھے ۔مصنف سرکاری محکموں کےعملے کے جامد کو بھی پُر مزاج اسلوب میں بیان کرتے ہیں کہ کولہد کے بیل کی طرح ان کے تیور ہیں۔عقل اور سمجھ کا یہ عالم ہے کہ پچھلے مہینوں کی پینشن یہ کہہ کے روک لیتے ہیں شونکہ آم نے زندگی کا سرٹیفیکٹ جمع نہیں کرایا اس لئے پتہ نہیں کہ آپ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔مصنف بیان کرتے ہیں کہ کسی کالج یا اسکول کے اسٹاف روم میں تھوڑی دیر میں بغیر تعارف کسی بھی ٹیچر کے مضمون کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔انھوں نے ایک تقریب کا احوال لکھا جہاں مختلف مضامین کے پروفیسر شریک تھے ۔ریاضی کے پروفیسر کی گفتگو میں اعداد و شمار کا ذکر اور جغرافیے و تاریخ کے پروفیسروں کی بات چیت میں آب و ہوا اور تاریخ کا اثر تھا ۔فلاسفر غیر ضروری مسئلے میں اپنی ذہنی توانائی صرف کرتے نظر آئے۔

**ایک انار سو بیمار**

**تعارفِ مصنف:**

**خلاصہ:**

ابنِ انشاء لکھتے ہیں کہ دیگر ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں ہمارے یہاں طبّی وسائل کی کمی پائی جاتی ہے کیونکہ کُل آبادی کے مقابلے میں ڈاکٹروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔اس صورت پر ایک انار سو بیما کا محاورہ صادق آتا ہے۔صحیح معالجین کی ناکافی تعداد اور عوام الناس کی کم عملی نے جعلی معالجوں،اتائیوں،عاملوں،نجومیوں،ستارہ شناسوں،تعویذ گنڈے کرنے والوں اور اس نوع کے دوسرے دعوداروں کی چاندی کردی ہے۔عوام ان ضعیف الاعتقادی سے ان نوسر بازوں کے چنگل میں ۔۔۔۔۔۔۔جاتے ہیں۔مصنف ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے کراچی کے اتایئوں کی مردم شماری کی تو انہیں اس محاورے کی تصبیح اس طرح پڑی کہ ’’ایک انار سو بیمار‘‘یعٰنی کراچی میں اناڑی ڈاکٹر اور تائی تھوک کا حساب پائے جاتے ہیں۔اناڑیوں کی بہتات میں اگر ڈاکٹر کم بھی ہیں تو کوئی بات نہیں قبرستان تو یقینا آباد ہورہے ہیں۔جس کو کبھی نہ کبھی تو آباد ہونا ہی تھا۔مصنف ایک پڑوسی کا ذکر کرتے ہیں کہ انہیں شاید گیس کی بیماری تھی حکمت کی بکتابوں سے خود ہی اپنے مرض کا علاج کرنے میں لگے رہتے پہلے تو انہوں نے ڈاکٹروں سے رُجوع کیا پھر ہومیو پیتھ کے پاس گئے،حکیمو ں کے جو شائدے بھی ان کے مرض کی تشخیص نہ کر سکے آخر میں فٹ پاتھ کے ایک سنیاسی بابا کے خاندانی نسخے پر عمل کیا اور جہاں فانی سے کوج کرگئے۔مصنف نے بھی ان بیاض کی مدد سے حکمت کے شعبے میں طبع آزمائی کی ۔اپنے قریبی عزیز کے گھٹنے کی پھنسی علاج کیا تو پھوڑا بن گئی،جوں جوں علاج کیا مرض بڑھتا گیا نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہسپتال داخل ہونا پڑا تب کہیں جاکر اس موزی مرض سے نجات ملی۔مصنف کی شہرت عطائی کے عطاالاطباء کے نام سے دور دور تک ہونے لگی۔ایک سنیاسی بابا اپنے بنائے ٹوٹکے اور نسخے مصنف کو دیتے تھے۔ان سنیاسی بابا کو جیل اس لیے ہوئی کہ انھوں نےایک حکمی مریض کا علاج ایسا کیا کہ مریض کی جان کے لالے پڑگئے،مریض کے۔۔۔۔۔۔نے انہیں جیل کی ہوا کِھلا دی۔اسی وجہ سے مصنف کا اناڑیوں کو مشورہ ہے کہ علاج صرف اُن مریضوں کا کریں جن کے رشتہ دار پولیس میں نہ ہوں ۔عقل مندوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔